ربا پر بعض معاصر نقطہ ہائے نظر کا علمی جائزہ

طاہر منصوری☆

ربا کے موضوع پر محققین نے ربا کی روایتی تعریفات سے صرف نظر کرتے ہوئے نئی صورتیں متعارف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ان میں سے بعض نے اس بات کی بھی کوشش کی ہے کہ ربا کی ایک ایسی جامع تعریف کی جائے جو ربا کو دیون اور بیوع کے ربا میں تقسیم کرنے کی بجائے اسے ایک متحد و غیر منقسم اکائی کے طور پر پیش کرتی ہو۔ یہ کوششیں غالباً ایک حلقے کے اس اعتراض کا جواب ہیں کہ ربا کی کوئی واضح و معین قانونی تعریف نہیں ہے اور یہ کہ ربا کے متبادلات تلاش کرنے سے پہلے اس کا تعین ضروری ہے۔

ان کوششوں کے پیچھے کارفرما جذبہ یقیناً قابل ستائش ہے' تاہم اس طرح جو تعریفات اور نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں' ان میں بہت سے محل نظر ہیں۔ ان تعریفات میں ربا کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں' اور اس اصطلاح کی جو تشریح و تعبیر کی گئی ہے اس کی تائید نہ تو احادیث سے ہوتی ہے اور نہ فقہاء کے اقوال اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

ان میں سے بعض تحریروں میں ربا کو راس المال پر اس بلا استحقاق اضافے سے تعبیر کیا گیا ہے جس کا کوئی عوض دوسرے فریق کو نہ دیا جائے چاہے یہ اضافہ قرضوں میں ہو یا مبادلے کے معاملات میں ہو۔ اس نقطہ نظر کے مطابق بلا استحقاق منفعت یا بلا استحقاق کسب کا ہر معاملہ ربا ہے۔ تاجروں کا مروجہ شرح منافع سے زیادہ نفع دینا' ادھار کی صورت میں چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنا' صنعت کار کا اجیر کو غیر عادلانہ اجرت دینا اور خود آمدن کے بڑے حصہ پر قابض ہونا' فصل کی بٹائی میں کاشت کار کا استحصال یہ سب ربا کی صورتیں ہیں۔ دوسرے الفاظ میں استحصال اور نفع خوری کی ہر شکل ربا ہے۔(۱)

بعض مصنفین کے خیال میں دو ہم جنس چیزوں کا مبادلہ (Exchange) خواہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں' برابر برابر اور دست بدست ہونا چاہیے' ورنہ یہ ایک ایسا

☆ اسسٹنٹ پروفیسر' شریعہ فیکلٹی' بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی' اسلام آباد

اضافہ کہلائے گا جس کا کوئی عوض نہ ہو۔ بالفاظ دیگر دو ہم جنس چیزوں کے مبادلے سے متعلق احکام قرض پر بھی لاگو ہوں گے۔ روپے کا روپے کے ساتھ تبادلہ' خواہ قرض ہی کی صورت میں ہو۔ برابر اور دست بدست ہونا چاہیے۔ لہٰذا قرض کی وہ صورت بھی کہ جہاں ایک ہزار روپے کے بدلے میں سال کے بعد ایک ہزار روپے ہی واپس کئے جائیں' ناجائز ہو گی کیونکہ یہ دو ہم جنس چیزوں کے تبادلے سے متعلق حدیث کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق مذکورہ صورت میں مضمر ربا یہ ہے کہ مدین ایک مخصوص مدت تک روپے سے منفعت حاصل کر رہا ہے اور یہ بلا استحقاق کسب کی ایک شکل ہے۔(۲)

کچھ دیگر مصنفین ربا کو اس فرق (Discrepancy) سے تعبیر کرتے ہیں' جو دو ہم جنس چیزوں کے براہ راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے اور فریقین کی معاہداتی ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس نقطہ نظر کی مطابق راس المال پر جہاں اضافہ ربا ہے وہاں اس میں کمی بھی ربا ہے' کیونکہ دی گئی اور لی گئی مقدار میں فرق واقع ہوا ہے۔(۳)

چنانچہ جس تبادلے میں مقدار میں فرق واقع نہیں ہوتا' وہ ایک درست معاملہ ہے چاہے ایک عوض کی سپردگی موخر کر دی گئی ہو۔ یعنی پانچ تولے سونے کا پانچ تولے سونے کا تاخیر کے ساتھ تبادلہ مذکورہ نقطہ نظر کے مطابق جائز ہے۔

مذکورہ نقطہ ہائے نظر جناب ڈاکٹر محمد ضیاء الحق صاحب' جناب عمران نیازی صاحب اور جناب ڈاکٹر سید طاہر صاحب کی کاوش فکر کا نتیجہ ہیں' زیر نظر مقالے میں انہی کی تحقیقات کو موضوع بحث بنایا گیا' اور اپنے نقطہ نظر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

پہلا نقطہ نظر

ڈاکٹر ضیاء الحق صاحب نے "The nature of Riba al-Nasi'ah and Riba al-Fadl" کے عنوان سے لکھے گئے ایک مقالہ میں ربا پر اپنا نقطہ نظر تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس نقطہ نظر کا خلاصہ یہ ہے کہ ربا بلا استحقاق اضافہ اور منفعت کا نام ہے۔ ہر وہ معاملہ جہاں ایک فرد بلااستحقاق آمدن کا مالک بنتا ہو' خواہ معاملے کے ظاہری صورت کچھ بھی ہو' ربا کا معاملہ ہے(۴)۔ ربا کی واضح' قطعی اور معین شکل ربا النسیئہ ہے۔ ربا النسیئہ قرض کے راس المال پر مشروط اضافہ کا نام ہے' اور یہ اضافہ ایک فریق کے لئے بلااستحقاق آمدن ہے جس کا اس نے کوئی عوض نہیں دیا ہے۔ رباالنسیئہ کی صورت میں اور لیا جانے والا اضافہ متعین ہوتا ہے لیکن ربا الفضل میں وصول کئے جانے والے منافع پہلے سے متعین نہیں ہوتے۔ یہ اس کے مقابلے میں ایک مبہم

و غیر معین رہا ہے(۵)۔ ربا الفضل معاملات کی ان تمام صورتوں پر پھیلا ہوتا ہے جہاں ایک فرد دوسرے کا معاشی استحصال کرتا ہے۔ معاصر سرمایہ دارانہ معیشت میں مشینوں اور ذرائع پیداوار پر قابض افراد کا کارکنان' محنت کشوں اور معاشی طور پر کمزور افراد کا استحصال اور ان کی محنت سے ناجائز فائدہ اٹھانا رباالفضل کی شکلیں ہیں(٦)۔ ڈاکٹر صاحب کے مطابق مزارعت اور فصل کی بٹائی کے معاملات میں بھی کاشت کار کا استحصال ہوتا ہے' لہٰذا یہ بھی ربا الفضل کا معاملہ ہے(۷)۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ معاملات کی بعض قدیم شکلیں بھی درحقیقت ربا الفضل ہی کی شکلیں تھیں' ان میں درخت پر لگے ناپختہ پھلوں اور کھڑی فصلوں کی فروخت' کھیت میں کھڑی فصل کو زمین پر پڑے غلے کے بدلہ میں فروخت جیسے معاملات شامل ہیں(۸)۔ اسی طرح تاجروں کا ضروری اشیاء کی ذخیرہ اندوزی کر کے نفع کمانا' مروجہ شرح سے زیادہ قیمت وصول کرنا' نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنا بھی ربا الفضل کے دائرے میں داخل ہے(۹)۔

ڈاکٹر صاحب کا کہنا ہے کہ "اگر حرمت ربا کو صرف قرضوں تک محدود کر دیا جائے' جیسا کہ قدیم فقہاء کی رائے ہے' تو بلااستحقاق منفعت کی بہت سی صورتیں حرمت کے دائرے سے باہر ہو جائیں گی حالانکہ ان میں مضمر ظلم و استحصال قرضوں پر سود سے پیدا ہونے والے ظلم و استحصال سے کہیں بڑھ کر ہے(۱۰)۔

نقد و تجزیہ

رباالفضل پر فاضل مصنف نے جو موقف اختیار کیا ہے' اس کی تائید فقہی علمی سرمائے سے نہیں ہوتی۔ فقہی کتب میں رباالفضل کی جو تعریفات دی گئی ہیں' ان سے رباالفضل کا مفہوم یہ متعین ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا اضافہ ہے جو ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں ہو۔ اس کی بنیاد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جو مخصوص ہم جنس اشیاء کے تبادلہ کے لئے برابری اور فوری قبضے کی شرط عائد کرتی ہے(۱۱)۔ ڈاکٹر صاحب نے جن معاملات کو ربا الفضل کا نام دیا ہے' فقہی کتب میں انہیں دیگر عنوانات کے تحت زیر بحث لایا گیا ہے۔ ان میں سے کچھ "غرر" دھوکہ' فریب "تدلیس و تغریر) کے معاملات ہیں۔ کچھ کو قمار اور میسر کا نام دیا گیا ہے۔ تاجر کی ناجائز نفع خوری کو فقہاء نے "غبن فاحش" کا معاملہ قرار دے کر ناجائز کہا ہے۔ غرضیکہ شریعت نے ظلم و استحصال کے خلاف فرد کو تحفظ فراہم کیا ہے۔ بلااستحقاق کسب منفعت کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔

شریعت میں ایک معاہدے کے باطل ہونے کے عام طور پر چار اسباب ہوتے ہیں۔

۱۔ غرر (معاملے کا ابہام' غیریقینیت' خطرہ وغیرہ)

۲۔ ربا

۳۔ قمار' میسر (جوا)

۴۔ تدلیس و تغریر (دھوکہ' فریب' غلط بیانی)

غرر ایسا معاملہ ہوتا ہے جس میں دونوں طرف کے معاوضوں میں سے کسی ایک کا حصول غیریقینی ہو یا اس معاوضے سے جو مقصد پیش نظر ہے' اس کا حصول غیریقینی ہو۔ غرر اس خطرے کو کہتے ہیں جو محل بیع کی مقدار اور صفت سے لاعلم ہونے کی بنا پر ایک فریق کو لاحق ہو۔ غرر کا نمایاں وصف ابہام' غیریقینیت' خطرہ وغیرہ ہیں(۱۲)۔

اس تعریف کی رو سے درخت پر پھل پیدا ہونے یا ان کے پختہ ہونے سے پہلے فروخت کرنے' کھیت میں کھڑی فصل کو زمین پر پڑے غلے کے بدلے فروخت کرنے جیسے معاملات غرر کے معاملات ہیں کہ ان میں ایک فریق کے نقصان کا احتمال پایا جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کے تمام معاملات کو حرام قرار دیا ہے۔

اس سلسلہ میں چند احادیث درج ذیل ہیں۔

۱۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھلوں کے سرخی مائل ہونے سے پہلے انہیں بیچنے سے منع فرمایا ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں پھل سے محروم بھی تو کر سکتا ہے۔ اس صورت میں تمہیں اپنے بھائی کا مال کھانے کا کیا حق رہ جاتا ہے؟ (۱۳)۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں پھینک کر طے پانے والی بیع اور غرر بیوع سے منع فرمایا ہے(۱۴))

۳۔ حضرت رافع بن خدیجؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ یعنی درخت کی کھجوروں کو چھوہاروں کے بدلے فروخت کرنے سے منع فرمایا(۱۵)۔

سابقہ صورت میں غرر یہ ہے کہ زمین پر موجود چھوہاروں کی مقدار تو متعین ہوتی ہے لیکن درخت پر موجود کھجوریں غیرمتعین ہوتی ہیں۔ چنانچہ انہیں تخیمناً" بیچا جاتا ہے۔

جہاں تک تجارت میں فریب' دھوکہ دہی اور غلط بیانی سے حاصل ہونے والے بلااستحقاق منافع کا تعلق ہے' اس کے سلسلہ میں بھی شریعت نے تفصیل سے احکام دیئے ہیں' اور فریب اور دھوکہ دہی پر مبنی معاملات کو ناجائز قرار دے کر مشتری کو معاہدہ فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ "تدلیس و تغریر" یا دھوکہ و فریب کے جو معاملات فقہی کتب میں ہمیں ملتے ہیں' ان میں چند اہم

معاملات درج ذیل ہیں:

۱۔ دیہاتی غلہ فروشوں سے مارکیٹ سے دور شہر کے باہر غلہ کی خرید۔

۲۔ شہر سے تعلق رکھنے والے فرد کا دیہاتی تاجر کا ایجنٹ بن کر غلہ فروخت کرنا۔

۳۔ دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں دودھ روک کر بیچنا۔

مذکورہ معاملات تدلیس و تغریر یعنی دھوکہ دہی' فریب اور غلط بیانی کے معاملات ہیں۔ ان کی حرمت کے بارے میں واضح احادیث موجود ہیں۔

۱۔ ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شہری دیہاتی کے لئے (اس کا ایجنٹ بن کر) غلہ فروخت نہ کرے(۱۶)۔

۲۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے دیہات سے غلہ لے کر آنے والے قافلوں سے راستوں پر ملاقات سے منع فرمایا ہے۔ اگر کوئی انسان کسی ایسے قافلے سے ملے اور اس سے کوئی چیز خرید لے تو بائع کو مارکیٹ پہنچنے پر سودا برقرار رکھنے یا سودا منسوخ کرنے کا حق حاصل ہے(۱۷)۔

ان دونوں احادیث میں ایسی صورت حال کا ذکر ہے کہ جب دیہاتی غلہ فروش کو بازار کے بھاؤ کا علم نہیں ہوتا اور شہری تاجر اس کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے سستے داموں غلہ خریدتا ہے اور پھر اسے بازار میں مہنگے داموں فروخت کرتا ہے۔ ایسی صورت حال میں فروخت کنندہ اگر دیکھے کہ بازار کے بھاؤ اس سے کہیں زیادہ ہیں جن میں مشتری تاجر نے اس سے غلہ خریدا تھا' تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ سودا منسوخ کر دے۔ دراصل شارع کا منشا یہ ہے کہ دیہات سے غلہ لانے والوں کو خود مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ دیکھنے کا موقع ملے اور ان کی عدم واقفیت سے کوئی ناجائز فائدہ نہ اٹھائے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کو تھنوں میں روک کر جانور کو بیچنے سے منع فرمایا ہے اور مشتری کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ سودا منسوخ کر دے(۱۸)۔

جہاں تک ناجائز ذخیرہ اندوزی کے ذریعہ نفع کمانے کا تعلق ہے' اسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے اور حاکم کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اس کے مرتکب شخص کو سزا دے۔ کھانے پینے کی چیزوں کی اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کہ قیمتیں بڑھنے پر انہیں بیچ کر نفع کمایا جائے' اسلام کی نظر میں انتہائی ناپسندیدہ طرز عمل ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں: "جس نے اس نیت سے ذخیرہ اندوزی کی کہ وہ لوگوں پر چیزیں مہنگی کرکے فروخت کرے' وہ خطاکار ہے اور اللہ اس سے بری ہے" (۱۹)۔

ذخیرہ اندوزی سے نفع خوری کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے مروجہ شرح منافع سے زیادہ نفع لینے کو بھی ربالفضل کا معاملہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اسلام نفع کی کسی حتمی حد کا کوئی تعین نہیں کرتا وہ تاجروں کو یہ آزادی دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خود ہی اس کا تعین کریں۔ تاہم اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تاجروں کو کھلی چھٹی دے دی جائے کہ وہ ایک چیز کی جو قیمت چاہیں وصول کر لیں' تمام فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ لوگوں کے مفاد میں ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قیمتوں کا تعین کرے۔ ریاستی محتسب کے منجملہ فرائض میں یہ فرض بھی شامل ہے کہ بازار میں ناپ تول کے پیمانوں' اشیاء کی نوعیت اور قیمتوں پر نظر رکھے۔ اگر کوئی تاجر کسی چیز کی غیر معمولی قیمت وصول کرے جو مروج شرح سے بہت زیادہ ہو' تو فقہاء اس سودے کو غبن فاحش کا سودا قرار دیتے ہیں اور خریدار کو سودا فسخ کرنے کا حق دیتے ہیں۔

ابن عابدین کہتے ہیں:

غبن فاحش یہ ہے کہ طے شدہ قیمت پر بازار میں کوئی خریدنے کے لئے تیار نہ ہو اور قیمت کا اندازہ لگانے والوں میں سے کوئی بھی یہ قیمت لگانے والا موجود نہ ہو۔ اگر یہ نمایاں نقصان دھوکہ اور فریب کے ذریعے پہنچایا گیا ہو تو احناف کا فتویٰ یہ ہے کہ بیع فسخ کرنے کا حق خریدار کو حاصل ہے' یہی نقطہ نظر حنابلہ کا بھی ہے" (۲۰)۔

جہاں تک نقد کے مقابلے میں ادھار پر چیز زیادہ مہنگے داموں فروخت کرنے کا تعلق ہے' فقہاء کی اکثریت اسے جائز قرار دیتی ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ عادات و معاملات میں اصل جواز اور اباحت ہے الا یہ کہ ممنوع ہونے کی کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔ ادھار کی وجہ سے قیمت میں اضافہ کا ممنوع ہونا کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں ہے' اس لئے مذکورہ شرعی قاعدہ کی روح سے یہ ایک مباح اور جائز کاروبار ہے۔

امام شوکانی نے ادھار کی وجہ سے قیمت بڑھانے کے جائز ہونے پر ایک مستقل رسالہ "شفاء الغلل فی حکم زیادہ الثمن بمجرد الاجل" لکھا ہے۔ وہ "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین' ناصر' منصور باللہ' ھادویہ تو اس کو جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن شوافع' احناف' امام زید بن علی اور جمہور اس کو جائز قرار دیتے ہیں" (۲۱)۔

حافظ ابن القیم "اعلام الموقعین" میں فرماتے ہیں۔

"حقیقت سے بہت ہٹ کر بات کی ہے جس نے ایک سودے میں دو سودوں سے ممانعت والی حدیث کو اس صورت پر محمول کیا ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو ادھار کی صورت میں سو روپے اور نقد کی صورت میں پچاس روپے پر فروخت کرے۔ فی الواقع اس سودے میں نہ سود ہے نہ قیمت کا ابہام ہے' نہ دھوکہ ہے' نہ قمار ہے اور نہ دوسری خرابیاں۔ اس لئے کہ بائع نے مشتری کو اختیار دیا ہے کہ جس قیمت پر چاہے خریدے" (٢٢)۔

فصل کی بٹائی بھی ایک جائز معاملہ ہے۔ فقہ حنفی میں مزارعت کے سلسلہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے جو اس کے جواز کے قائل ہیں۔

قاضی ابویوسف فرماتے ہیں: "میرے نزدیک مزارعت کی حیثیت مضاربت جیسی ہے' جس طرح ایک شخص کسی کو اپنا مال تجارت کے لئے تہائی' چوتھائی نفع پر دیتا ہے' ایسے ہی زمین تہائی' چوتھائی پیداوار پر دینا جائز ہے" (٢٣)۔

مزارعت کی ممانعت کی جو احادیث رافع بن خدیج' جابر بن عبداللہ اور ثابت بن ضحاک سے مروی ہیں وہ ان صورتوں سے متعلق ہیں جن میں کاشت کاروں کی حق تلفی ہوتی تھی اور صاحب زمین کو بلااستحقاق منفعت حاصل ہوتی تھی یا جن کا نتیجہ نزاع اور فساد کی صورت میں ظاہر ہوتا تھا (٢٤)۔

اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ بلا استحقاق کمائی اور نفع کا ہر معاملہ ربا نہیں ہے۔ ربا صرف وہ اضافہ ہے جو قرض کے راس المال پر مدت کے مقابلے میں ہو' یا دو ہم جنسی چیزوں کے دست بدست لین دین میں ایک فریق کو ادا کرنا پڑے۔ جن معاملات کا ذکر ربالفضل کے تحت کیا گیا ہے وہ درحقیقت غرر' قمار' تدلیس (دھوکہ و فریب)' غبن فاحش وغیرہ کے تحت آتے ہیں۔ اور ربا کی طرح حرام اور ناجائز ہیں۔ انہیں ربا الفضل کا معاملہ کہہ کر ناجائز ٹھہرانا محض ایک تکلف ہے۔ جبکہ شریعت پہلے ہی انہیں ناجائز قرار دے چکی ہے۔

دوسرا نقطہ نظر

ربا پر یہ نقطہ نظر جناب عمران نیازی صاحب نے اپنی تصنیف The Concept of Riba and Islamic Banking میں پیش کیا ہے۔ ربا پر ان کے مطالعہ کا امتیازی وصف یہ ہے کہ انہوں نے ربا کو ایک متحد و غیر منقسم اکائی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے شمس الائمہ امام سرخسی کی تعریف ربا کو اپنے مطالعہ کی بنیاد بنایا ہے۔ امام سرخسی کی تعریف ربا یہ

ہے "ربا معاہدہ بیع میں ایک فریق کے لئے وہ مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی بدل نہ ہو"(۲۵)' فاضل مصنف اس تعریف میں استعمال کئے گئے لفظ بیع کو تبادلہ (Exchange) سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ امام سرخسی کی یہ تعریف مبادلے کی ہر اس شکل کو ربا قرار دیتی ہے جس کا موضوع مختلف مقدار کی دو ہم جنس اشیاء ہوں۔ "یہ تعریف دو ہم جنس چیزوں کے باہمی مبادلے کی ہر شکل پر منطبق ہوتی ہے' خواہ یہ مبادلہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں"(۲۶)۔

مصنف موصوف اپنے نقطہ نظر کی یوں تشریح کرتے ہیں کہ قرآن میں وارد لفظ ربا مجمل ہے۔ ہم جنس چیزوں کے باہمی مبادلے سے متعلق احادیث نے اس ربا کو ایک واضح شرعی و قانونی نام دیا ہے۔ درہم و دینار کے جس لین دین کو قرآن قرض کا نام دیتا ہے' احادیث نے اسے بیع کا نام دیا ہے۔ بیع قرض کے مقابلے میں زیادہ جامع تعبیر ہے' اس میں ہر قسم کے تبادلے اور لین دین کا معاملہ آ جاتا ہے۔ احادیث دو ہم جنس چیزوں کے باہمی تبادلے کے لئے برابری اور فوری لین دین کا تقاضا کرتی ہیں۔ اس تقاضے کو معاہدہ قرض میں بھی ملحوظ رکھا جائے گا کیونکہ وہ بھی بیع اور مبادلے کا معاملہ ہے(۲۷)۔ اگر کوئی شخص کسی کو ایک ہزار روپے ایک سال کی مدت کے لئے بطور قرض دیتا ہے اور مقررہ مدت پر اصل زر یعنی ہزار روپیہ ہی واپس لیتا ہے تو وہ ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ یہ رباالنسیئہ کی ایک شکل ہے۔ اس میں مضمر ربا وہ منفعت ہے جو مدین اس عرصہ میں قرض کی رقم سے حاصل کر رہا ہے(۲۸)۔ لہٰذا روپے کا روپے کا ساتھ تبادلہ ہمیشہ برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر ہونا چاہیے' قطع نظر اس کے کہ معاملہ بیع کی صورت میں طے پایا ہے یا قرض کی صورت میں۔

مصنف کا خیال ہے کہ بینک اپنے گاہک کو ایک مخصوص مدت کے لئے جو قرض دیتا ہے' وہ بھی ربا کا معاملہ کرتا ہے۔ اگر وہ اس مدت کے اختتام پر گاہک سے اصل زر سے زائد وصول کرتا ہے تو وہ رباالفضل اور رباالنسیئہ دونوں کا ارتکاب کرتا ہے لیکن اگر صرف اصل زر واپس لیتا ہے تو رباالنسیئہ کا معاملہ کرتا ہے' اس صورت میں ربا وہ تاخیر ہے جو ایک عوض کے سپردگی میں ہوئی ہے(۲۹)۔

فاضل مصنف کی رائے میں بینکوں میں جو بچتیں رکھوائی جاتی ہیں وہ بھی بنیادی طور پر کرنسی کے کرنسی سے تبادلہ کا معاملہ ہیں۔ ان میں بھی برابری اور فوری لین دین کی شرط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے' بصورت دیگر یہ ربا کا معاملہ ہو گا(۳۰)۔

مصنف کا خیال ہے کہ جس اضافہ پر ربا کا اطلاق ہوتا ہے وہ دو طرح کا ہے۔ اولاً۔ دو ہم جنس اشیاء کے تبادلہ میں ایک کی مقدار میں اضافہ۔ یہ ایک واضح ربا ہے۔ شرعی اصطلاح میں یہ اضافہ رباالفضل ہے۔ ثانیاً"۔ دو ہم جنس اشیاء تبادلہ میں ایک کی سپردگی میں تاخیر۔ چاہے دونوں اشیاء' مقدار میں برابر ہوں۔ یہ رباالنسیئہ ہے(۳۱))۔ چنانچہ اگر کوئی شخص ایک مخصوص مدت کے لئے دیئے جانے والے قرضے میں سو روپے کے بدلے ۱۱۰ روپے وصول کرتا ہے تو ربا الفضل کا معاملہ کرتا ہے' لیکن اگر ۱۰۰ روپے یعنی اصل زر ہی واپس لیتا ہے تو یہ رباالنسیئہ کا معاملہ ہے۔ اس صورت میں ربا مدت قرض کے دوران اس رقم کا استعمال ہے اور اس سے نفع اٹھانا ہے (۳۲)۔

نقد و تجزیہ

مذکورہ نقطہ نظر بہت سے غلط مفروضوں پر مبنی ہے' ذیل میں چند کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

لفظ ربا کا مجمل ہونا

پہلا مفروضہ یہ ہے کہ قرآن میں وارد لفظ ربا صوم و صلوۃ کے الفاظ کی طرح مجمل ہے۔ اس اجمال کی تشریح و تفسیر عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے' لہٰذا یہ حدیث ربا کی اصل ہے(۳۳)۔

امر واقع ہے کہ لفظ ربا صوم و صلوۃ کی طرح کبھی بھی مبہم و مجمل لفظ نہیں رہا۔ ربا کا مفہوم ظہور اسلام سے پہلے بھی عربوں کے ذہنوں میں واضح تھا۔

قاضی ابوبکر ابن عربیؒ لکھتے ہیں "زمانہ جاہلیت میں جو ربا رائج تھا وہ بالکل مشہور و معروف طریقے پر ان کے ہاں رائج تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ مدت مقررہ تک قرض کا کوئی معاملہ کرتا' جب میعاد آ جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے کہتا' میرا قرض دیتے ہو یا سود دیتے ہو' تو اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا(۳۴)۔

امام فخرالدین رازی فرماتے ہیں "ادھار کا سود جاہلیت کے زمانے میں مشہور و معروف تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے تھے کہ اتنی مقدار میں ماہانہ سود دینا ہو گا اور اصل رقم برقرار رہے گی' جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو جاتی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے معذور ہو جاتا تو میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدلے میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ ربا تھا جس پر جاہلیت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے(۳۵)۔

عربوں کے لئے اگر کوئی ربا نامانوس تھا تو وہ بیوع والا ربا تھا' جس کی تحریم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے آخری سالوں میں نازل ہوئی۔

قاضی ابوبکر جصاص'' فرماتے ہیں کہ ''عرب یہ نہیں جانتے تھے کہ سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تاخیر کے ساتھ تبادلہ بھی ربا ہے حالانکہ شریعت میں وہ بھی ربا ہے'' (۳۶)۔ یہ درست ہے کہ قاضی ابوبکر جصاص ربا کو مجمل ہی قرار دیتے ہیں۔ اس کے اجمال کا سبب یہ ہے کہ یہ لفظ لغوی معنی سے ہٹ کر ایک نئے شرعی معنی سے استعمال ہوا ہے۔ تاہم ان کے نزدیک یہ اجمال صوم و صلوۃ والا اجمال نہیں ہے۔ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ عرب اس ربا سے مکمل طور پر واقف تھے جو درہم و دینار کے قرضوں میں رائج تھا۔

وہ لکھتے ہیں ''یہ آیت نازل کرکے اللہ تعالیٰ نے اس ربا کو باطل اور حرام قرار دیا جو عربوں کے ہاں عام طور پر رائج تھا' لیکن ساتھ ہی احادیث کی رو سے خرید و فروخت کی بہت سی صورتیں باطل قرار دیں اور ان کو بھی شرعی اصطلاح کی رو سے ربا نام دیا اس طرح ''حرم الربا'' کا حکم ان سب کو شامل ہوگیا کیونکہ شرعی طریقہ سے ربا کا اسم ان کو بھی شامل ہے(۳۷)۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ربا سے متعلق ابوبکر جصاص کے موقف کا وہ حصہ تو قبول کیا ہے جس میں آپ نے اسے مجمل لفظ قرار دیا ہے لیکن اس حصہ کو جس میں انہوں نے ربا الدیون کو اصل اور مستقل بالذات ربا قرار دیا ہے' نظرانداز کردیا ہے۔ ابوبکر جصاص نے ربا کی یوں تعریف کی ہے۔

''ربا قرض کا وہ معاملہ ہے جس میں میعاد مقرر کی گئی ہو اور قرض لینے والے پر قرض کی اصل رقم سے کچھ زیادہ دینے کی شرط لگائی گئی ہو(۳۸)۔

قرض پر بیع کا اطلاق

دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ قرض بنیادی طور پر معاہدہ بیع ہے(۳۹)۔ یہ بھی سابقہ مفروضہ کی طرح ایک غلط اور خلاف واقع مفروضہ ہے۔ قرض اور بیع میں بعض بہت ہی بنیادی قسم کے فرق ہیں۔ بیع میں مقصود منفعت ہوتی ہے۔ احسان یا کسی کی مدد اس کے بنیادی مقاصد کا حصہ نہیں ہوتے۔ قرض مدد' تعاون اور احسان کا معاملہ ہے۔ بیع کے برعکس اس میں عوض یا معاوضہ وہ اجر و ثواب ہے جس کی امید کسی ضرورت مند کو قرض دیتے ہوئے دائن خدا سے رکھتا ہے۔ اس کے اسی بنیادی وصف کی وجہ سے فقہاء معاہدہ قرض کو عقود المعاوضات میں شمار نہیں کرتے بلکہ اسے ہبہ' صدقہ اور احسان کے معاملات میں شمار کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وھبہ زحیلی لکھتے ہیں "عقود معاوضات میں بیع' اجارہ' صرف' صلح' استصناع' مزارعت' مساقات وغیرہ شامل ہیں جبکہ قرض' کفالہ (کفیل بننے کا معاہدہ)' معاوضہ کی شرط پر ہبہ جیسے معاملات ابتداء" ہبہ اور صدقہ کے معاملات ہوتے ہیں جو اختتام معاہدہ پر عقد معاوضہ بن جاتے ہیں(۴۰)۔

وہ مزید لکھتے ہیں "قرض بنیادی طور پر ایک معاہدہ ہبہ اور احسان ہے اگرچہ مدت کی انتہاء پر اس میں عوض بھی شامل ہو جاتا ہے تاہم صدقہ اور احسان کا پہلو اس میں غالب ہے۔ اس کا معاملہ احسان ہونا اس امر سے مترشح ہے کہ دائن اپنی رقم کے منافع مدین کو ایک مخصوص مدت تک ہبہ کرتا ہے۔ اگر یہ معاوضہ و منفعت کا معاملہ ہوتا تو بیع کی طرح اس میں بھی راس المال پر نفع لینا جائز ہوتا حالانکہ ایسا نفع لینا ناجائز ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ قرض کا غالب وصف اس کا ہبہ ہونا ہے(۴۱)۔

معاہدہ قرض میں دائن خود کو اپنی رقم کے استعمال سے ایک عرصہ تک محروم رکھتا ہے۔ اسی طرح یہ صدقہ و ہبہ کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ پھر میعاد ادائیگی پر بھی رقم کا حصول کوئی یقینی امر نہیں۔ مدین کی عسرت و تنگدستی کی صورت میں دائن کو مزید انتظار کرنا پڑتا ہے۔ قرآن کی ہدایت کے مطابق ایسی صورت حال میں مدین کو مزید مہلت دینی پڑتی ہے۔ اس طرح یہ معاملہ بعض اوقات ابتدائے معاہدہ سے انتہا تک صدقہ و احسان کا معاملہ بن جاتا ہے۔

مذکورہ مفروضہ کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک دعویٰ یہ بھی کیا گیا ہے کہ حنفی فقہاء کی پیش کردہ تعریفات ربا میں لفظ بیع وسیع اور عموی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ شمس الائمہ امام سرخسی کی تعریف ربا کا بطور خاص حوالہ دیا گیا ہے کہ اس میں لفظ بیع مبادلہ (Exchange) کے معنوں میں آیا ہے۔ چنانچہ امام سرخسی کے نزدیک دو ہم جنس چیزوں کا اضافے کے ساتھ مبادلہ' خواہ وہ بیع کی صورت میں ہو یا قرض کی صورت میں' ربا ہے۔ اسی طرح یہ تعریف دیون والے ربا پر بھی منطبق ہوتی ہے۔

یہ بھی ایک خلاف واقع بات ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام سرخسی' امام کاسانی اور دیگر حنفی فقہاء نے بیع کے سیاق میں جس ربا کا ذکر کیا ہے' وہ مخصوص ہم جنس اشیاء کے تبادلے میں اضافہ ہے۔ اس کے مفہوم میں قرض شامل نہیں ہے۔ اس بات کی تصدیق درج ذیل امور سے ہوتی ہے۔

۱۔ امام سرخسی اور امام کاسانی نے ربالفضل کا ذکر اپنی کتاب کے باب البیوع میں کیا ہے۔

دیون والے ربا کا ذکر ان کے ہاں الگ سے ایک اور باب "باب القرض" میں ملتا ہے(۴۲)۔ ربالفضل کا ذکر باب البیوع میں اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ درحقیقت باطل بیوع کی ایک قسم ہے' اس کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ اس میں برابری کے شرعی تقاضے کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ ربالفضل کی فطری جگہ باب البیع ہے نہ کہ باب القرض کہ یہ بنیادی طور پر بیع کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ربا پر یہ طریقہ مطالعہ سرخسی اور کاسانی کے علاوہ کئی دیگر فقہاء نے اختیار کیا ہے۔ یہ فقہاء ربالفضل کو باب البیوع میں بیان کرتے ہیں۔ جب کہ قرض والے ربا کو مستقلاً باب القرض میں زیربحث لاتے ہیں' فخرالدین الزیلعی(۴۳) محمد الخرشی(۴۴) ابن قدامہ(۴۵)' البہوتی (۴۶)' الحطاب(۴۷)' اور دیگر کئی نمایاں اہل علم نے یہ منہج اختیار کیا ہے۔

۲۔ کاسانیؒ نے دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں تاخیر کو ربا النساء کا نام دیا ہے(۴۸)۔ اس طرح ربا النساء خود بخود اس ربا سے علیحدہ ہو گیا ہے جو قرضوں میں واقع ہوتا ہے اور جسے ربالنسیئہ کا نام دیا جاتا ہے۔

۳۔ بعض حنفی فقہاء نے تو ایک ہی باب میں صراحت کے ساتھ دونوں قسموں کے ربا کو الگ الگ بیان کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ دین والے ربا کو بیع والے ربا میں شامل نہیں سمجھتے۔ ہدایہ کے شارح کمال بن الہمام لکھتے ہیں کہ ربا قرض کے راس المال میں زیادتی اور ہم جنس ربا اموال کی بیع میں مقدار کا اضافہ ہے(۴۹)۔

۴۔ ربا کی بیوع اور دیون میں تقسیم صرف حنفی فقہاء کے ہاں ہی نہیں ملتی' دیگر فقہی مکاتب نے بھی اسے اختیار کیا اور ان کی کتب میں صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ ابن رشد المقدمات میں لکھتے ہیں "ربا نقد کی نقد کے ساتھ بیع اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں واقع ہوتا ہے (۵۰)۔ ابن رشد (حفید) بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں "علماء کا اتفاق ہے کہ ربا دو چیزوں میں واقع ہوتا ہے' بیع میں اور ذمہ میں ثابت ہونے والے دیون میں جو بیع موجل اور قرض وغیرہ سے پیدا ہوتا ہے(۵۱)۔

فقہاء شافعیہ نے ربا کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔ ربا الفضل' ربا الید اور ربا النساء۔

۱۔ ربا الفضل: یہ ہم جنس اشیاء کے دست بدست لین دین میں ایک عوض میں زیادتی ہے۔

۲۔ ربا الید: یہ ان اشیاء کے تبادلہ میں ایک کی سپردگی میں تاخیر ہے۔

۳۔ ربا النساء: بیع موجل میں قیمت کی ادائیگی کی میعاد میں توسیع کے بدلے قیمت میں مزید اضافہ ربا النساء ہے۔

شربنی خطیب کا بیان ہے کہ شافعی فقیہ المتولی نے ان تین اقسام میں ایک اور قسم ربا القرض کا اضافہ کیا ہے۔ یہ وہ قرض ہے جس میں دائن کے لئے نفع مشروط ہو(۵۲)۔

شافعی فقہاء میں رملی وہ واحد فقیہ ہیں جنہوں نے قرض والے ربا کو رباالفضل قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی وضاحت ایک اور شافعی مصنف نے یوں کی ہے کہ رملی نے ربا القرض کو ربا الفضل کہا ہے جبکہ فی الواقع وہ اس سے مختلف ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دائن کے لئے نفع یا اضافہ کی شرط گویا قرض کو اپنی جنس کی چیز سے اضافہ کے ساتھ بیچنا ہے اس طرح وہ مجازاً ربا الفضل ہے(۵۳)۔

۵۔ قرض والے ربا کے بیع کے ربا میں شامل نہ ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا تاخیر سے تبادلہ چاہے وہ برابری کی بنیاد پر ہی کیوں نہ ہو' ناجائز ہے۔ جبکہ دو ہم جنس چیزوں کا قرض کی بنیاد پر تبادلہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت میں مستحسن ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ ایک من گندم کا ایک من گندم سے اس طور پر تبادلہ کرے کہ ایک عوض فوری طور پر سپرد اور دوسرا موخر کر دیا جائے تو یہ ایک ناجائز بیع ہو گی کہ یہ ربا النساء کا معاملہ ہے لیکن اگر کوئی شخص کسی کو ایک من گندم ادھار دیتا ہے اور واپس ایک من گندم ہی لیتا ہے تو یہ نہ صرف جائز ہے بلکہ شریعت کی نظر میں ایک محبوب و پسندیدہ عمل ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دو ہم جنس اشیاء کا وہی مبادلہ (Exchange) حرام ہے جو بیع کی صورت میں ہو نہ کہ قرض کی صورت میں۔ اسی بناء پر علماء رباالنساء کی یوں تعریف کرتے ہیں۔

"یہ دو ہم جنس چیزوں کی تاخیر کے ساتھ بیع کا نام ہے بشرطیکہ وہ قرض نہ ہو۔"

قرض میں مدت کا تعین

ایک بات یہ بھی کہی گئی ہے کہ قرض میں مدت کا تعین معاہدہ قرض کو رباالنسیئہ کا معاملہ بنا دیتا ہے۔ اس صورت میں ربا ان منافع کو کہا جائے گا جو مدت قرض کے دوران مدین رقم کے استعمال سے حاصل کرتا ہے یا حاصل کر سکتا ہے۔ معاہدہ قرض چونکہ بنیادی طور پر دو ہم جنس اشیاء کا تبادلہ ہے' لہٰذا مذکورہ نقطہ نظر کے مطابق اسے دست بدست ہونا چاہیے' تاخیر سے یہ معاملہ رباالنسیئہ کی شکل اختیار کر جائے گا۔

یہاں دو بہت ہی بنیادی قسم کے سوال پیدا ہوتے ہیں' پہلی بات یہ ہے کہ مدت قرض کے دوران رقم کی استعمال کو کیوں رباالنسیئہ کا نام دیا جائے جبکہ خود دائن بطور احسان ایک مدت تک اس سے دست بردار ہوا ہے۔ پھر یہ کہ خود شریعت نے واضح نصوص سے اس کی اجازت دی ہے

اور اس مدت کا معاملہ میں اعتبار بھی نہیں کیا۔ اگر مدت کی کوئی حسی و مادی حیثیت ہوتی تو اس کا عوض لینا جائز ہوتا مگر ایسا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مدت کی وجہ سے حاصل ہونے والا ہر نفع ربا نہیں ہے بلکہ ربا صرف وہ منافع ہیں جو دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں ایک چیز کو موخر کرنے سے متعلقہ شخص کو حاصل ہوتے ہیں۔ مقدم الذکر قرض حسنہ کی شکل ہے اور جائز ہے اور موخرالذکر ربالنساء ہے اور ناجائز ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ قرض میں مدت کی تعیین سے معاہدہ قرض ربا کا معاملہ کیسے بن گیا؟ زیادہ سے زیادہ اس معاملہ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ معاہدہ میں مدت کا تعین بعض فقہاء کے نزدیک غیرضروری ہے اور دائن کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے قرض کا جب چاہے مطالبہ کر لے لیکن اس طرح کے معاملہ کو سود کا معاملہ کس بنیاد پر کہا جائے گا۔

اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ معاہدہ قرض میں مدت کے تعین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

اس موضوع پر قرآن و سنت اور فقہاء کے اقوال کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ قرض میں مدت کا تعین شریعت میں نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن ہے۔ سورۃ بقرۃ کی آیت ۲۸۸ معاہدہ دین میں واضح طور پر تعین مدت پر زور دیتی ہے۔ آیت کے الفاظ ہیں "اے ایمان والو! جب تم کسی مقررہ مدت کے لئے آپس میں دین کا معاہدہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو"(۵۴)۔

اس آیت کی تشریح میں امام جصاص فرماتے ہیں۔

"یہ آیت لین دین کے ان تمام معاملات کو شامل ہے جن میں میعاد مقرر کرنا جائز ہو" (۵۵)۔

مذکورہ آیت میں دین کا لفظ جو استعمال ہوا ہے اس میں قرض، بیع موجل میں مبیع کی قیمت، عقد سلم کی مبیع وغیرہ سب داخل ہیں۔ ان تمام دیون کی میعاد مقرر کرنا شرعاً" مستحسن ہے۔

فقہ کی کتابوں میں حوالہ، کفالہ اور رہن کے احکام کا بڑی حد تک مدار دیون کی تعیین مدت پر ہے۔ تمام فقہاء اس پر متفق ہیں کہ مرتہن مال مرہون کو میعاد قرض کے اختتام سے قبل بیچ نہیں سکتا جو اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدہ دین میں مدت کا تعین ضروری ہے، اسی طرح جمہور فقہاء کے نزدیک حوالہ دین کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ محال علیہ پر واجب الاداء دین کی میعاد ادائیگی اور محیل یعنی قدیم مدین کے دین کی مدت ادائیگی ایک ہو۔

احادیث کی کتاب میں بھی معاہدہ قرض میں تحدید مدت کے جواز کی دلیل ملتی ہے۔ بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ جو واقدی نے المغازی اور امام محمد نے موطا میں نقل کیا ہے، اس امر کی تائید

کرتا ہے کہ نبی اکرمؐ دین میں تحدید مدت کو جائز سمجھتے تھے۔

واقدی لکھتے ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو نضیر کو مدینہ سے جلاوطن کر دیا اور حضرت محمد بن مسلمہ کو اس کا نگران مقرر فرمایا' اس وقت وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آ کر کہا کہ لوگوں پر ہمارے دین واجب ہیں جن کی ادائیگی مختلف مدتوں پر ہوتی ہے تو حضور اکرم نے فرمایا کہ "جلدی لے لو اور ساقط کر دو"(۵۶)۔

ذیل کی فقہی نصوص میں واضح طور پر میعاد قرض کے الفاظ نقل ہوئے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ فقہاء کے نزدیک میعاد قرض کا تعین ناجائز امر نہیں ہے۔امام محمد فرماتے ہیں کہ

"ہم اس سے استدلال کرتے ہیں اگر ایک شخص کا دوسرے شخص کے ذمہ کسی مدت پر دین واجب ہو اور وہ اس سے کہے کہ وہ اس کا کچھ دین ساقط کر دے گا بشرطیکہ وہ بقیہ دین فوراً ادا کر دے تو یہ صورت درست نہیں" (۵۷)۔

اس اقتباس سے جہاں "ضع و تعجل" کے معاملہ کی کراہت ثابت ہوتی ہے وہاں مدت قرض کے تعین کا جواز بھی ملتا ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں۔

"اگر ایک شخص کا دوسرے پر دین موجل ہو' اب وہ شخص اپنے قرض خواہ سے کہے کہ مجھ سے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دو' بقیہ دین میں فوراً ادا کر دوں گا' یہ صورت جائز نہیں" (۵۸))۔

ابن قدامہ کے اسی قول میں "دین موجل" کے الفاظ تحدید مدت کے جواز کی نشاندہی کرتے ہیں۔

المدونہ الکبریٰ میں آیا ہے۔

"میں نے ان سے کہا۔ اس مسئلے میں آپ کی کیا رائے ہے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ میرے ایک ہزار روپے دین ہوں اور اس کی ادائیگی کا وقت آ چکا ہو اور میں اس سے کہوں کہ اگر تم نے مہینہ شروع ہونے پر سو درہم ادا کر دیئے تو نو سو درہم تمہارے ہیں اور اگر تم نے ادا نہیں کئے تو پھر پورے ایک ہزار درہم ادا کرنے پڑیں گے؟ اسکے جواب میں امام مالک نے فرمایا۔ اس میں کوئی حرج نہیں(۵۹)۔

کسی مدت تک دین کو موخر کرنے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ قرض چاہے موجل ہو یا غیرموجل' دونوں صورتوں میں دائن اپنا قرض جب چاہے وصول کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مدت ان کے نزدیک وعدہ اور ہبہ غیر مقبوض کی طرح ہے۔ امام مالک اور ان کے اصحاب فرماتے ہیں کہ جب کسی مدت تک کے لئے قرض دے دیا تو پھر دائن اس مدت سے پہلے قرض واپس لینا چاہے تو واپس نہیں لے سکتا۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک تحدید مدت تو ناجائز نہیں ہے لیکن دائن پر اس کی پابندی لازم نہیں وہ اس مدت سے پہلے بھی اپنے قرض کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے قرض بنیادی طور پر احسان کا معاملہ ہے' قرض دینا دائن کی کوئی شرعی و قانونی ذمہ داری نہیں۔ لہٰذا وہ پابند نہیں ہے کہ اس مخصوص مدت تک انتظار کرے۔ معاہدہ عاریت میں بھی ایک شخص مال مستعار کا مدت مقررہ سے پہلے واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے۔

امام مالک "المسلمون عند شروطهم" کے اصول کے تحت دائن کے مدت قرض سے پہلے ادائیگی کو ناجائز قرار دیتے ہیں(۶۰)۔

عملی نقطہ نظر سے امام مالک کا موقف زیادہ وزنی اور وقیع ہے۔ اگر قرض میں مدت کا تعین نہ کیا جائے تو کوئی شخص بھی قرض دے سکے گا اور نہ لے سکے گا۔ قرض لینے والے کو ہر وقت یہ خدشہ لاحق رہے گا کہ دائن کسی وقت بھی اس سے قرض کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اس طرح وہ اطمینان سے رقم کو اپنے تصرف میں نہیں لا سکے گا۔ قرض دینے والے کو بھی یہ خدشہ لاحق ہو گا کہ مدین تنگدستی کا بہانہ کرکے قرض کو غیر معینہ مدت تک ٹال سکتا ہے۔

قرآن کے حکم "فان کان ذو عسرة ......الخ" پر بھی اگر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اپنے اندر تعین مدت کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ "اگر مدین تنگ دست ہو تو اسے آسانی تک مہلت دے دو۔" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ پہلے ایک مدت متعین ہے جس پر مدین تنگدستی و عسرت کے باعث ادائیگی نہیں کر پاتا۔ چنانچہ دائن کو مدین کے معاشی حالات بہتر ہونے تک انتظار کی ہدایت کی جا رہی ہے۔

شریعت میں دائن کے حقوق کے تحفظ کے لئے بہت سے احکام دیئے ہیں جن میں وثیقہ قرض کو حیطہ تحریر میں لانا' گواہوں کے ذریعہ تصدیق کا حق' ضمانت' رہن وغیرہ شامل ہیں۔ ان سب احکام کا منشا یہ ہے کہ دائن کا حق کسی طور پر ضائع نہ ہو۔ دین میں مدت کا تعین تقاضائے شرح کے عین مطابق ہے کہ اس سے بھی دائن کے حقوق کا تحفظ ہوتا ہے۔

ربا پر سابقہ نقطہ نظر کا نمایاں وصف یہ ہے کہ ایک یہ غیر منطقی اور غیر عملی موقف ہے۔ یہ جہاں قرض کی حوصلہ شکنی کرتا ہے وہاں روپوں کی شکل میں بچتیں رکھوانے کے دروازے بھی بند کر دیتا ہے۔ سناروں کی صنعت بھی اس سے ٹھپ ہو کر رہ جاتی ہے کہ اس نقطہ نظر کے مطابق پانچ تولے ان ڈھلے سونے کا تبادلہ اسی وزن کے ہار سے برابری کے ساتھ ہو گا اور صنعت کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے گا۔ خود مصنف کا اپنا خیال بھی یہی ہے کہ یہ اصول سناروں کے کاروبار کو متاثر کر سکتا ہے (۶۱)۔ حالانکہ درست عملی موقف یہ ہے کہ ہم سنار سے سونے کا مبادلہ نہیں کرتے بلکہ اسے سونا دے کر اپنے مطلب کی چیز بنوا رہے ہوتے ہیں۔ لہٰذا وہ اسی طرح اپنے عمل اور کاریگری کی اجرت لینے کا حقدار ہے جس طرح ایک درزی اور نان بائی۔ اس صورت میں اگر آپ اسے ایک تولہ زائد سونا بھی دے دیں تو یہ اس کے کام کے مقابلے میں ہوگا۔ اس طرح ہم اسے معاہدہ استصناع کے تحت لا کر ایک جائز و مباح معاملہ بنا سکتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ اس معاملہ کو سونے کا سونے سے تبادلہ کہہ کر اس پر برابری کا اصول لاگو کیا جائے اور نتیجہ کے طور پر سنار کے کاروبار کے جواز کو مشکوک بنا دیا جائے۔

پھر دلچسپ بات یہ ہے کہ مصنف کی تعبیر ربا ایک طرف تو اتنی سخت گیر ہے کہ معاملہ کی ہر شکل کو حرام قرار دیئے جا رہی ہے اور دوسری طرف ربا کی بعض بہت واضح اشکال کو منضبط کرنے سے قاصر ہے۔ ان کی اختیار کردہ تعریف ربا یہ ہے۔

"ربا عقد بیع میں سے ایک ایسا مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی عوض نہیں۔"

یہ تعریف ربا الفضل کے حوالہ سے تو درست ہے کہ ربا الفضل دو ہم جنس چیزوں کا ایسا لین دین ہے جس میں ایک چیز مقدار میں دوسری سے زیادہ ہوتی ہے اور وہ زیادتی بلاعوض ہوتی ہے لیکن ربا النسیئہ پر اس کا اطلاق درست نہیں۔ اس کی وضاحت یوں کی جا سکتی ہے کہ ایک شخص جب کسی کو ایک سال کی مہلت پر ایک ہزار روپے دیتا ہے اور پندرہ سو روپے وصول کرتا ہے تو یہ اضافی رقم اس مہلت اور تاخیر کے بدلے میں لیتا ہے جو اس نے مدین کو دی ہے۔ اس معاملہ کو مذکورہ تعریف کی رو سے ربا کیونکر ہونا چاہیے جبکہ ہر فریق نے ایک عوض دیا ہے جو کہ دوسرے کے بالمقابل ہے۔ دائن نے جو عوض دیا ہے وہ مہلت اور تاخیر ہے اور جو مدین نے دائن کو دیا ہے وہ راس المال پر اضافہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں "فضل" "نسیئہ" کا عوض ہے۔

ہمارے خیال میں یہ الجھن اس لئے پیدا ہوئی کہ مصنف نے امام سرخسیؒ کی تعریف ربا کو وہ معانی پہنائے ہیں جو اس تعریف کا مقصود نہیں ہیں۔ امام سرخسیؒ کی تعریف ربا صرف ربا الفضل

سے بحث کرتی ہے' ربا النسیئہ اس کے دائرے میں داخل نہیں ہے۔ اگر اسے ربا النسیئہ پر بھی لاگو کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے تضاد کی وہی کیفیت جنم لے گی جو مذکورہ مثال میں سامنے آتی ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ بیوع کا ربا اور دیون کا ربا دو الگ الگ نوعیتوں کے ربا ہیں۔ بیوع والا ربا صرف احادیث سے ثابت ہے۔ قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی بناء پر اسے رباالسنہ کہا جاتا ہے۔

دیون کا ربا ایک حقیقی ربا ہے' سورہ روم' سورہ النساء' سورہ آل عمران اور سورہ البقرہ کی آیات میں جس ربا کا ذکر ہوا ہے وہ یہی ربا ہے۔ اس کی حرمت بھی قطعی ہے اور اس کی تعریف بھی متفق علیہ ہے اور اس میں کسی قسم کا ابہام و اجمال بھی نہیں۔ یہی وہ ربا ہے جو عربوں میں مشہور و معروف تھا جس کو وہ بیع کی طرح حلال سمجھتے تھے۔ اس کو ربا القرآن بھی کہا جاتا ہے۔ کہ اس کی حرمت قرآن سے ثابت ہے۔ اسے ربا جلی اور ربا حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ کھلا اور حقیقی معنوں میں سود ہے' صرف سود کا ذریعہ نہیں۔

اس کے برعکس' بیوع میں واقع ہونے والا ربا حقیقی ربا نہیں بلکہ حکمی ربا ہے۔ اس پر ربا کا اطلاق اسی وجہ سے کیا جاتا ہے کہ یہ حقیقی اور جلی ربا کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ یہ کھلا سود نہیں ہے بلکہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ ہے۔ ربا کی یہ قسم قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے اور یہ حرمت سد ذریعہ کے طور پر ہے۔ ربا الفضل یا بیوع میں واقع ہونے والے ربا کے حرام ہونے کی علت حقیقی ربا کا راستہ بند کرنے اور سودی ذہنیت کا انسداد ہے تاکہ اسے حقیقی سود یعنی ربا النسیئہ کا ذریعہ نہ بنایا جا سکے۔ امام ابن القیم فرماتے ہیں کہ جو چیز سد ذریعہ کے طور پر حرام قرار دی گئی ہو اس کی حرمت اس چیز کے مقابلہ میں کہیں کم درجے کی ہوتی ہے جس کی حرمت شریعت میں مقصود بالذات ہو۔ اسی بناء پر وہ ربا الفضل کو خفی اور ثانوی ربا قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک ضرورت کے تحت سونے کا بنا ہوا ہار زیادہ مقدار کے سونے کے عوض بیچا جا سکتا ہے ان کا کہنا ہے کہ سونا ہار کی صورت اختیار کرنے سے ثمن (کرنسی) نہیں رہتا بلکہ کپڑوں اور دیگر اشیاء کی طرح کا سامان تجارت بن جاتا ہے' تو جس طرح کپڑے اور نقدی میں ربا واقع نہیں ہوتا اسی طرح ہار اور سونے کے تبادلہ میں بھی ربا واقع نہیں ہو گا (۶۲)۔

ابن القیم اور دیگر فقہاء کے مذکورہ موقف کے برعکس زیر بحث نقطہ نظر ربا الفضل کا مقام اس قدر بلند کر دیتا ہے کہ ربا الدیون اس کے اندر گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس نقطہ نظر نے ربا پر

شریعت کی ترجیحات کی ترتیب کو بالکل الٹ کر رکھ دیا ہے۔ حقیقی ربا کو ثانوی اور ثانوی ربا کو حقیقی ربا کی حیثیت دے دی ہے۔

تیسرا نقطہ نظر

یہ نقطہ نظر ربا کو اس فرق (discrepancy) سے تعبیر کرتا ہے جو دو ہم جنس اشیاء کے براہ راست تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ ربا پر یہ نقطہ نظر ڈاکٹر سید طاہر صاحب نے پیش کیا ہے۔ انہوں نے ربا کی تعریف ان الفاظ میں ہے۔

"Riba is a discrepancy which results from the contractual obligation of a party in a direct exchange of items of the same general kind"(63)

تعریف میں ربا کو فرق اس لئے کہا گیا ہے کہ بعض اوقات دائن راس المال سے زیادہ کی بجائے کم لینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اس نقطہ نظر کے مطابق یہ کمی بھی اسی طرح ربا متصور ہو گی' جس طرح راس المال پر اضافہ ربا قرار پاتا ہے۔

کیا قرض کے راس المال میں کمی رباہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے اگر قرآن پر نظر ڈالی جائے اور متعلقہ آیات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں ربا راس المال میں اضافہ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے' کمی کے مفہوم میں نہیں۔

قرآن کی آیت "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود کا جو بقایا ہے اسے چھوڑ دو۔" (۶۴) اسی مفہوم میں وارد ہوئی ہے۔

سورہ روم کی آیت بھی اضافے ہی کے مفہوم کو ظاہر کرتی ہے "اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال بڑھیں تو اللہ کے نزدیک اس سے مال نہیں بڑھتا(۶۵)۔

جہاں تک احادیث کا تعلق ہے ان سے بھی مصنف کی تعبیر ربا کی تائید نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس بعض احادیث سے راس المال سے کم لینے کا جواز ملتا ہے۔ بنونضیر کے واقعہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کو اجازت دی تھی کہ وہ میعاد قرض سے پہلے قرض وصول کرنے کی صورت میں راس المال میں کمی پر راضی ہو جائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سنت کی رو سے بھی یہ ربا کا معاملہ نہیں۔

مذکورہ تعریف کی ایک اور خامی یہ ہے کہ یہ ربا النساء کے معاملے کا احاطہ نہیں کرتی۔ دو ہم جنس چیزوں کا تاخیر سے تبادلہ حدیث کی رو سے ربا النساء کہلاتا ہے' لیکن اس تعریف کی رو سے وہ سرے سے ربا ہی نہیں۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث معاملہ کی درستگی کے

لئے "برابر سرابر" اور "دست بدست" کی شرط عائد کرتی ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ "سواء بسواء" یا برابر سرابر کی مخالفت سے تو یہ ربا کا معاملہ بن جائے اور یدا بید یعنی دست بدست کی شرط کی مخالفت کے باوجود یہ شرعاً" درست معاملہ قرار پائے۔ اس طرح کے معاملے کے دست بدست ہونے کے مسئلہ پر عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ کی حدیث حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث سے بھی زیادہ واضح ہے۔

حدیث کے الفاظ ہیں "سونا چاندی کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو' گندم گندم کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو' جو جو کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو' اور کھجور کھجور کے بدلے اس ہاتھ لو اور اس ہاتھ دو(٦٦)۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ مخصوص متحد الجنس یا مختلف الجنس اشیاء کا تبادلہ۔ خواہ اضافے کے ساتھ ہو یا اضافے کے بغیر' ربا کا معاملہ ہے' اگر دست بدست نہیں ہوا۔

مذکورہ نقطہ نظر کے مطابق پانچ تولے سونے کا پانچ تولے سونے کے ساتھ مبادلہ چاہے دست بدست نہ ہو' ایک درست معاملہ ہے۔ کیونکہ لی گئی مقدار میں کوئی فرق نہیں' اور ربا فرق (Discrepancy) کا نام ہے۔

حضرت عمرؓ تو اس معاملے میں اتنا سخت رویہ رکھتے ہیں کہ وہ ایک عوض کی سپردگی میں اتنی تاخیر کو بھی ربا سمجھتے ہیں جتنی گھر جا کر واپس آنے میں ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"چاندی سونے کے بدلے ادھار نہ بیچو کہ ایک طرف سے ادھار ہو' اور دوسری طرف سے نقد۔ اگر تم سے گھر تک مہلت مانگی جائے تو اتنی مہلت بھی نہ دو' اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ تم کہیں سود میں مبتلا نہ ہو جاؤ(٦٧)۔

ڈاکٹر سید طاہر کے نقطہ نظر کے مطابق دو ہم جنس چیزوں کے تبادلے میں واقع ہونے والا ہر فرق ربا ہے حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے یہ فرق یا اضافہ اسی صورت میں ربا قرار پاتا ہے جب محل تبادلہ اشیاء کا تعلق ربا اموال سے ہو۔ وہ اشیاء یا اموال جن میں ربا واقع نہیں ہوتا' ان کا تفاضل کے ساتھ مبادلہ (Exchange) ربا نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں دی جا سکتی ہے کہ اگر بڑے حجم کے ایک درجن انڈوں کا چھوٹے حجم کے دو درجن انڈوں کے ساتھ تبادلہ کیا جائے تو یہ تبادلہ حنفی فقہاء کے نزدیک درست ہے کیونکہ ان کے نزدیک انڈے ربوی اموال سے تعلق نہیں رکھتے اور نتیجۃً" ان میں تفاضل اور تاخیر دونوں جائز ہیں۔ یہی صورت حال کیلوں کے تبادلے میں ہو گی کہ ان کا کمی یا اضافے کے ساتھ باہمی تبادلہ حنفی و مالکی فقہاء کے نزدیک جائز ہے۔ اس کا

مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر سید طاہر صاحب کی تعریف کے یہ الفاظ کہ "ربا عمومی جنس سے تعلق رکھنے والی اشیاء کے باہمی تبادلہ میں فرق کا نام ہے" شریعت کے مدعا کو درست طور پر بیان نہیں کرتے۔ بیع کے سیاق میں ربا صرف مخصوص اشیاء کے باہمی تبادلہ میں واقع ہوتا ہے۔ تمام اشیاء میں نہیں۔

ڈاکٹر سید طاہر نے اپنی تعریف ربا میں عمومی جنس کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ عمومی جنس کا مفہوم ان احادیث سے لیا گیا ہے جن میں گندم کے گندم کے ساتھ تبادلہ کو برابری اور فوری قبضہ کی بنیاد پر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ اگر "اصناف" تبدیل ہو جائیں تو برابری کی شرط ضروری نہیں۔

عمومی جنس (Same General Kind) کے الفاظ غالباً اس لئے استعمال کئے گئے ہیں تاکہ وہ اشیاء جن کا عمومی نام ایک ہی ہے لیکن ان کی نوعیتوں میں خاصا فرق ہے' انہیں بھی حدیث کے احکام کے تحت لایا جائے۔

اس کا دوسرے الفاظ میں مطلب یہ ہو گا کہ ۱۰ گز کپڑے کا تبادلہ ۱۰ گز کپڑے سے ہی کیا جائے اور اس میں کپڑے کی نوعیت کا لحاظ نہ رکھا جائے صرف پیمائش میں برابری کو ملحوظ رکھا جائے۔

یہاں ایک بہت اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ربا الفضل والی حدیث کا واقعی مقصود یہی ہے کہ دو ہم جنس اشیاء جن کی نوعیتوں میں بہت واضح اور غیر معمولی فرق ہو' ان کا باہمی تبادلہ صرف اس وجہ سے برابری کی بنیاد پر کیا جائے کہ ان دونوں کا نام ایک ہی ہے یعنی وہ دونوں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔

ربا الفضل پر پائی جانے والی احادیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں ان غذائی اجناس کا ذکر ہے جن کی اکائیوں میں عام طور پر بہت غیر معمولی فرق نہیں ہوتا مثلاً گندم' جو' نمک وغیرہ کہ ان کی ایک قسم اور دوسری قسم میں عام طور پر بہت زیادہ فرق نہیں ہوتا۔ جو معمولی سا فرق ان کے درمیان ہو سکتا ہے' اس کی حقیقی قدر (Value) کا تعین ایسی معیشت میں عام طور پر مشکل ہوتا ہے جو جنس کے جنس کے ساتھ تبادلہ پر مشتمل ہو۔ اس صورت حال میں اس بات کا احتمال رہتا ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کے تبادلہ میں اعلیٰ قسم رکھنے والا فریق تبادلہ میں ادنیٰ قسم کی اتنی زیادہ مقدار وصول کر لے جو اعلیٰ قسم والی چیز کی حقیقی قیمت سے زیادہ ہو۔ لہٰذا شارع نے یہ ہدایت کر دی کہ دو ہم جنس چیزوں کے درمیان قدر و قیمت کا جو تھوڑا سا فرق ہو اسے نظرانداز کر

کے برابر سرابر مبادلہ کرلیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی معیشت کرنسی کے بجائے جنس کے جنس کے ساتھ تبادلہ پر مبنی معیشت تھی۔ اس طرح کی معیشت میں عام طور پر چیزوں کی حقیقی قدر کا تعین مشکل ہوتا ہے۔ ایسی معیشت میں احتمال رہتا ہے کہ ایک شخص اعلیٰ نوعیت والی چیز کو دوسری فریق کے استحصال کا ذریعہ بنالے۔ وہ اس سے بدلہ میں ادنیٰ نوعیت کی بہت بڑی مقدار وصول کر لے جبکہ فی الواقع دونوں قسموں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہ ہو۔ گندم کی اعلیٰ قسم اور ادنیٰ قسم کے درمیان عام طور پر کوئی غیر معمولی فرق نہیں ہوتا لہٰذا اسے اضافے یا زیادہ کا ذریعہ بھی نہیں بنایا جا سکتا۔

آج کے دور میں ایک ہی جنس کی اشیاء کے درمیان فرق بہت بڑھ گیا ہے۔ ایک چیز کی اعلیٰ اور گھٹیا قسم کے درمیان غیر معمولی فرق ہوتا ہے پھر معیشت بھی اب جنس کے جنس کے ساتھ تبادلہ والی معیشت نہیں رہی۔ اشیاء کی قدر کا تعین اب کرنسی نوٹ کرتے ہیں۔ چیزوں کی حقیقی قدر کے تعین میں اب کوئی دقت نہیں رہی۔ ایسی صورت حال میں یہ کہاں کی معقولیت ہو گی کہ ایک ایگل پین کا تبادلہ ایک پارکر پین سے کرنے پر اصرار کیا جائے اور دلیل یہ دی جائے کہ دونوں چیزیں ایک ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں اس طرح کیا یہ درست ہو گا کہ ایک سوزوکی کار کا تبادلہ ایک مرسیڈیز کار سے کیا جائے کہ دونوں ہم جنس اشیاء ہیں۔

ہمارے خیال میں حدیث کے الفاظ "اتحاد صنف" سے مراد عمومی جنس نہیں ہے بلکہ ایک جنس سے تعلق رکھنے والی ایسی دو چیزیں ہیں جن کے درمیان فرق معمولی ہو۔ عرف عام میں جو چیزیں اپنا ایک مستقل نام اور شناخت رکھتی ہیں وہ ایک الگ صنف ہیں چاہے ایسی دو چیزوں کی عمومی جنس ایک ہی ہو مثلاً سوزوکی کار ایک صنف ہے اور مرسیڈیز ایک دوسری صنف' عرف عام میں بھی انہیں کار کی بجائے ان کے ناموں مرسیڈیز اور سوزوکی سے ہی پکارا جاتا ہے' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو مستقل بالذات اصناف ہیں۔ جبکہ گندم اور جو میں یہ صورت حال نہیں ہے۔ لہٰذا دو قسموں کی گندم فی الواقع ایک ہی صنف شمار ہو گی۔

مذکورہ مثالیں صرف مسئلہ کو واضح کرنے کے لئے دی گئی ہیں ورنہ فی الواقع اس طرح کا تبادلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ معیشت میں کرنسی کے موثر عمل دخل کی بناء پر جنس کا جنس کے ساتھ تبادلہ عملاً" ختم ہو گیا ہے۔ حدیث میں جن اشیاء کے تبادلہ کا ذکر آتا ہے وہ بھی اب روپے پیسوں کے بدلے خرید و فروخت ہوتی ہیں' ان کا اپنی جنس سے تبادلہ کہیں بھی نہیں ہوتا۔ اس

صورت حال میں ربا کی ایسی تعریف جو اشیاء کے باہمی تبادلہ پر بنا رکھتی ہو' زمانی سیاق سے بہت ہٹ کر ہے جس کی عصر حاضر میں کوئی اہمیت و افادیت نہیں۔

ربا پر اس طریقہ مطالعہ کا غیر محسوس نقصان یہ ہے کہ اس سے ربا الدیون کے پیدا کردہ حقیقی معاصر مسائل سے انسان کی توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ غیر متعلق چیزوں میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت کے نفاذ کے لئے جس ربا کے خاتمہ کی بات کی جاتی ہے وہ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رائج سود ہے جو بنیادی طور پر قرضوں کا ربا ہے۔ ہم جنس چیزوں کے تبادلہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ویسے بھی زر نقدی نے ربا الفضل کا دائرہ سکیڑ دیا ہے۔ مبادلے کی صورتیں محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ اس پس منظر میں نظام مبادلہ (Barter) کو زندہ کرنا' اور ربا کی تعریف کے لئے اسے بنیاد بنانا نہ تو شریعت کا تقاضا ہے اور نہ اس عہد کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ ڈاکٹر ضیاء الحق، "The nature of Riba al Nasian and Riba al fadl" مطبوعہ، اسلامک اسٹڈیز، جلد ۲۱، شمارہ نمبر ۴، ۱۹۸۲ء

۲۔ عمران نیازی، "The Concept of Riba and Islamic Banking" نیازی پبلشنگ ہاؤس، طبع اول، ۱۹۹۵ء

۳۔ ڈاکٹر سید طاہر "What is Riba" Hikmat-e-Quran Nov.1994
"Riba al fadl" Hikmat-e-Quran August 1995

۴۔ ڈاکٹر ضیاء الحق، حوالہ مذکور، صفحہ ۲۰

۵۔ حوالہ سابق صفحہ ۳۱

۶۔ حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۳۲

۷۔ حوالہ سابق صفحہ ۳۶

۸۔ حوالہ سابق صفحہ ۳۳

۹۔ حوالہ سابق صفحات ۲۲، ۲۳، ۳۲،

۱۰۔ حوالہ سابق صفحہ ۳۲

۱۱۔ صحیح مسلم، مع شرح نووی، قاہرہ، مطبعہ عصریہ، ۱۳۴۹ھ، جلد ۱۱، ص ۱۴

۱۲۔ ڈاکٹر محمد صدیق ضریر، الغرر فی الغرر و آثارہ فی التطبیقات المعاصرہ اسلامی ترقیاتی بینک، جدہ، ۱۹۹۳، ص ۳

۱۳۔ شوکانی، نیل الاوطار، انصار السنہ المحمدیہ، لاہور، جلد ۵، ص ۱۸۳

۱۴۔ حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۱۵۶

۱۵۔ زیلعی، نصب الرایہ، مجلس علمی، سورت، ہند ۱۹۳۸، ۱۰۱، جلد ۴، ص ۱۲

۱۶۔ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۱۷۴، ص ۱۷۶

۱۷۔ حوالہ سابق

۱۸۔ حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۲۲۶

۱۹۔ حوالہ سابق جلد ۵، ص ۲۳۳

۲۰۔ ابن عابدین، رد المحتار، دار سعادت، مطبعہ عثمانیہ، ۱۳۲۶ء، جلد ۴، ص ۲۲، ۲۲۱

۲۱۔ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۴۹، ۲۵۰

۲۲۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، طبع ۱۹۶۹ء، ج ۳، ص ۱۹۳

۲۳۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، ص ۸۹

۲۴۔ تقی امینی، اسلام کا زرعی نظام، مکتبہ امدادیہ ملتان، ص ۱۷۸، ۱۷۹

۲۵۔ سرخسی، کتاب المبسوط، مطبع السعادہ، القاہرہ، ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء، جلد ۱۲، ص ۱۰۹

۲۶۔ عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص ۲۰

۲۷۔ حوالہ سابق، صفحات ۳۱، ۴۹، ۵۴، ۵۶ اور ۱۱۳

۲۸۔ حوالہ سابق ص ۲۹

۲۹۔ حوالہ سابق ص ۴۸

۳۰۔ حوالہ سابق

۳۱۔ حوالہ سابق ص ۲۱

۳۲۔ حوالہ سابق، ص ۲۹

۳۳۔ حوالہ سابق، ص ۵۶

۳۴۔ ابن عربی، احکام القرآن، طبع بیروت ۱۹۸۸ء، جلد ۱، ص ۳۲۰، ۳۲۱

۳۵۔ رازی، التفسیر الکبیر، طبع مصر، ۱۹۳۸ء، جلد ۷، ص ۹۱

۳۶۔ جصاص، احکام القرآن، المطبع البھیہ المصریہ، مصر، ۱۳۴۷ھ، جلد ۱، ص ۵۵۱

۳۷۔ حوالہ سابق جلد ۱، ص ۵۵۲

۳۸۔ جصاص، حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۴۲۹

۳۹۔ عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق، ص ۴۹

۴۰۔ وھبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دارالفکر، دمشق، ط ۳۰، ۱۹۸۹ء، جلد ۴، ص ۲۴۴

۴۱۔ حوالہ سابق

۴۲۔ کاسانی، بدائع الصنائع، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، صفحہ ۱۰۱، ۱۹۹۰ء، کتاب القرض جلد ۷، صفحات ۳۹۴۔۳۹۶

۴۳۔ الزیلعی، تبیین الحقائق شرح کنزالدقائق، المطبع الکبری الامیریہ، بولاق، ۱۳۱۵ھ، ص ۱۰۱، جلد ۴، ص ۸۵

۴۴۔ محمد الخرشی، شرح مختصر خلیل، مطبع امیریہ، ۱۳۱۷ھ، ۳۰، جلد ۵، ص ۳۶

۴۵۔ ابن قدامہ، المغنی، دارالمنار، قاہرہ، ط ۳۰، ۱۳۶۷ھ، جلد ۴، ص ۱

۴۶۔ البھوتی، کشاف القناع، مطبع السنہ المحمدیہ، ۱۹۴۸ء، جلد ۳، ص ۲۰۵

۴۷۔ الحطاب، مواہب الجلیل شرح مختصر خلیل، مطبع السعادہ، مصر ۱۳۲۹ھ، جلد ۴، ص ۴۰۰

۴۸۔ کاسانی، بدائع الصنائع، حوالہ سابق

۴۹۔ ابن ہمام، شرح فتح القدیر، مکتبہ تجاریہ لکبری، مصر، جلد ۵، ص ۲۷۴

۵۰۔ ابن رشد (جد)، المقدمات، مطبعہ السعادہ، مصر، ۱۳۲۵ھ، ص ۱۶۵

۵۱۔ ابن رشد (حفید)، بدایہ المجتھد، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۶۰ء، جلد ۲، ص ۱۲۸۔

۵۲۔ محمد الشربینی الخطیب، مغنی المحتاج الی معرفہ معانی الفاظ المنھاج، المکتبہ التجاریہ الکبریٰ، مصر، جلد ۲، ص ۲۱

۵۳۔ شمس الدین محمد الرملی، نھایہ المحتاج، المطبعہ البہیہ الامیریہ، قاہرہ، ۱۳۰۴ھ، جلد ۳، ص ۳۹

۵۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۸۸

۵۵۔ جصاص، احکام القرآن، حوالہ سابق، جلد ۱، ص ۴۸۳

۵۶۔ واقدی، مغازی، جلد ۱، ص ۱۷۹

۵۷۔ موطا امام مالک، باب الرجل، یبیع المتاع او غیرہ نسیئہ ثم یقول۔ انقدنی واضع عنک، جلد ۱، ص ۲۲۳

۵۸۔ المغنی، حوالہ سابق، جلد ۴، ص ۱۷۴

۵۹۔ المدونہ الکبریٰ، کتاب الصلح، جلد ۱۱، ص ۲۷

۶۰۔ وہبہ زحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، حوالہ سابق، جلد ۴، ص ۲۲۷

۶۱۔ عمران نیازی، تصور ربا اور اسلامی بینکاری، حوالہ سابق ص ۸۴

۶۲۔ ابن القیم، اعلام الموقعین، مکتبہ تجاریہ الکبریٰ، مصر، ۱۹۵۵ئا ۱۰، جلد ۲، ص ۱۳۵

۶۳۔ ڈاکٹر سید طاہر، "Riba al Fadl"، مطبوعہ حکمت قرآن "شمارہ اگست ۱۹۹۵، اور "What is Riba" نومبر ۱۹۹۴ء

۶۴۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۸۰

۶۵۔ سورہ الروم، آیت ۲۹

۶۶۔ نیل الاوطار، جلد ۵، ص ۲۰۴

۶۷۔ موطا امام مالک، کتاب البیوع، باب الذہب بالذہب، جلد ۲، ص ۶۳۴

****